السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

مسئلہ وحدۃ والوجوداور وحدۃ الشہود کی صوفیاء کرام کے نزدیک کیا تعریف ہے اور محققین علماء اس کے کیا معنی مراد لیتے ہیں؟ اور یہ توحید وحدۃ الوجوداور وحدۃ الشہود کی زمانہ سلف میں تھی یا نہیں؟

---

# الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

مولانا جامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نفحات الانس من حضرات القدس فارسی کے صفحہ ۷ الغایت صفحہ ۲۰ میں بحوالہ ترجمۃ العوارف باب اول توحید کے چار مراتب لکھے ہیں۔ اصل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کرنے سے تو بات بہت طویل ہوجائے گی۔ اس لیے کسی قدر توضیح کے ساتھ اُردو خلاصہ پر اکتفا کی جاتی ہے جس کو زیادہ تفصیل کا شوق ہو وہ اصل کتاب ملاحظہ کرے۔

اوّل توحید ایمانی

دوم: توحید علمی

سوم: توحید حالی

چہارم: توحید الٰہی

توحید ایمانی:

عوام کی توحید ہے یعنی کتاب وسنت کے مطابق خدا کو وحدہ لاشریک سمجھنا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا، دل میں اس کا اعتقاد رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا اور یہ توحید مجز صادق کی خبر کے تصدیق کرنے کا نتیجہ ہے اور ظاہری علم سے حاصل ہے اور صوفیاء کرام اس توحید میں عام مومنوں کے ساتھ شریک ہیں اور باقی قسموں میں ممتاز ہیں۔

## توحید علمی:

باطنی علم سے حاصل ہوتی ہے جس کو علم الیقین کہتے ہیں، اور وہ اس طرح ہوتی ہے کہ انسان کا یقین اس حد تک پہنچ جائے کہ موجود حقیقی اور موثر مطلق بجز خدا کسی کو نہ جانے، تمام ذات وصفات اور افعال کو خدا کی ذات، صفات اور افعال کے سامنے ہیچ سمجھے، ہر ذات کو اس کی ذات کا اثر خیال کرے اور ہر صفت کو اس کی صفت کا پر تو جانے، مثلاً جہاں علم، قدرت، ارادہ، سننا دیکھنا پائے، ان سب کو خدا کے علم، قدرت، رادہ، سننے دیکھنے کے آثار سے سمجھے، اسی طرح باقی صفات وافعال کو خیال کرے گویا ظاہری اسباب کا پردہ درمیان نہ دیکھے، اور سب کچھ موثر حقیقی کی طرف سے سمجھے یہاں تک کہ ظاہری اسباب سے متاثر نہ ہو، مگر چونکہ اس مرتبہ میں حجاب باقی رہتا ہے اس لیے اکثر اوقات نظر ظاہری اسباب کی طرف چلی جاتی ہے جو شرک خفی کی قسم ہے۔

## توحید عالی:

یہ ہے کہ قریب قریب تمام حجابات درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں اور موحد مشاہدہ جمال وجود واحد کا کرتا ہے جیسے ستاروں کا نور آفتاب کے نور میں غائب ہوجاتا ہے اسی قریب قریب تمام وجودات موحد کی نظر سے غائب ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ توحید کی صفت کو بھی اسی وجود واحدہ کی صفت دیکھتا ہے اور اپنے مشاہدہ کو بھی اسی وجود واحد کی صفت دیکھتا ہے، غرض اس کی نظر میں وحدت ہوتی ہے۔ دوئی کا وہاں دخل نہیں رہتا، اس طریق سے موحد کی ہستی بحر توحید کا ایک قطرہ ہو کر اس میں مضمحل ہوجاتی ہے اور الٰہی گھل مل جاتی ہے کہ وہاں انتشار نہیں رہتا، اسی بنا پر جنید بغدادی رحمہ اللہ (سرتاج صوفیاء) نے کہا ہے:

''التوحید معنی یضمحل فیہ الرسوم ویندرج فیہ العلوم یکون اللہ کما لم یزل''

''یعنی توحید ایک معنی ہے جس میں رسمی وجود حقیقی وجود گھل مل جاتے ہیں اور علوم اس میں مندرج ہوجاتے ہیں گویا خدا ویسے کا ویسا ہے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔''

یہ توحید مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے اور توحید علمی مراقبہ سے مراقبہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر جمال محبوب کی انتظار ہے اور مشاہدہ محبوب کا دیدار ہے، توحید علمی میں اکثر لوازم بشریہ باقی رہتے ہیں اور توحید عالی میں تھوڑے باقی رہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں ترتیب افعال اور تہذیب اقوال کے ساتھ مکلف ہے اور مکلف اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ لوازم بشریہ رہیں جن کا اس کو مقابلہ کرنا پڑے اسی بناء پر ابو علی وقاق رحمہ

اللہ نے کہا ہے:

''التوحید غریم لایقضی دینہ وغریب لایؤدی حقہ

''یعنی توحید ایسا قرض خواہ ہے کہ اس کا قرض پورا نہیں ہوسکتا اور ایسا مسافر ہے کہ اس (کی مہمانی) کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔''

دنیا کی کبھی کبھی خالص حقیقت توحید جس میں یکبارگی آثار اور رسمی وجود گم ہوجاتے ہیں بجلی کی چمک کی طرح نمودار ہوتی ہے اور فی الفور بجھ جاتی ہے اور رسمی وجودات کا اثر وہ بارہ لوٹ آتا ہے اور اس حالت میں شرک خفی کا نام نشان نہیں رہتا، انسان کے لیے توحید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ ممکن نہیں۔

## توحید الٰہی:

یہ کہ خدا تعالیٰ خود اپنی ذات میں بغیر اس کے کہ دوسرا اس کی طرف وحدت کی نسبت کرے ازل میں ہمیشہ وحدت سے موصوف رہا چنانچہ حدیث میں ہے۔

''کان اللہ ولم یکن معہ شئی''

''یعنی خدا تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی دوسری شے نہ تھی''

اور اب بھی اسی طرح ہے اور ابدالاباد اسی طرح رہے گا چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

کل شئی ہالکٌ الا وجہہ

''یعنی ہر شے ہلاکت والی ہے۔ مگر خدا کی ذات۔''

اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ ہر شئے ہلاک ہوجائے گی۔ بلکہ ہالک کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت بھی ہلاکت والی ہے یعنی نیست اور فانی ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے رسی جلا دی جائے تو اس کے بٹ بدستور نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رسی قائم ہے، حالانکہ حقیقت میں رسی فنا ہوچکی ہے اور اس حالت کے مشاہدہ کیلئے قیامت کا حوالہ دینا یہ محجوبوں کے لیے ہے ورنہ ارباب بصیرت اور اصحاب مشاہدہ جو زمان ومکان کے تنگ کوچہ س یگذر کر خلاصی پاگئے یہ وعدہ ان کے حق میں قیامت تک اُدھار نہیں بلکہ نقد ہے یعنی محجوبوں کے لیے جو مشاہدہ قیامت کو ہوگا۔ ارباب بصیرت کے لیے اس وقت ہو رہا ہے۔

یہ توحید الٰہی نقص وعیب سے بری ہے برخلاف توحید مخلوق کے وہ بوجہ نقص وجود کے ناقص ہے۔

یہ چار قسمیں توحید کی صوفیاء کے ہاں مشہور ہیں۔ اخیر کی دو وہی ہیں جن کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے یعنی توحید حالی وحدۃ الشہود ہے اور توحید الٰہی وحدۃ الوجود ہے۔ یہ اصطلاحات زیادہ تر متاخرین صوفیاء (ابن عربی وغیرہ) کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ متقدمین کی کتب میں نہیں۔ ہاں مراد ان کی صحیح ہے، توحید ایمانی اور توحید علمی توظاہر ہے توحید حالی کا ذکر اس حدیث میں ہے:

''ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک''

''یعنی خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو نہ دیکھے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

یہ حالت چونکہ اکثر طور پر ریاضیت اور مجاہدہ سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے یہ عقل سے سمجھنے کی شئے نہیں ہاں اس کی مثال عاشق ومعشوق سے دی جاتی ہے۔ عاشق جس پر معشوق کا تخیل اتنا غالب ہوتا ہے کہ تمام اشیاء اس کی نظر میں کالعدم ہوتی ہیں 'اگر دوسری شئے کا نقشہ اس کے سامنے آتا ہے تو محبوب کا خیال اس کے دیکھنے سے حجاب ہوجاتا ہے گویا ہر جگہ اس کو محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے خاص کر خدا کی ذات سے کسی کو عشق ہوجائے تو چونکہ تمام اشیاء اس کے آثار اور صفات کا مظہر ہیں اس لیے خدائی عاشق پر اس حالت کا زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر شئے سے اس کو خدا نظر آتا ہے وہ شئی نظر نہیں آتی ہے جیسے شیشہ دیکھنے کے وقت چہرے پر نظر پڑتی ہے نہ کہ شیشہ پر۔

شیخ مخدوم علی ہجوری رحمہ اللہ معروف بہ داتا گنج بخش جن کا لاہور میں مزار مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کشف المحجوب باب مشاہدہ میں صوفیاء کے اقوال اس قسم کے بہت لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے جو بیان ہوا ہے کہ غلبۂ محبت اور کمال یقین کی وجہ سے ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ غیر خدا پر نظر ہی نہیں پڑتی، اسی طرح دوسرے بزرگوں نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خواص کی دو حالتیں ہیں جلوت اور خلوت جلوت لوگوں سے اختلاط اور میل جول کی حالت ہے۔ اور خلوت علیحدگی اور تنہائی کی حالت ہے جس میں ظاہر باطناً خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے جلوت میں تبلیغ کا کام ہوتا ہے اور خلوت میں نفس کی اصلاح اور دل کی صفائی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ مزمل کے شروع میں ان دونوں حالتوں کا بیان ہے چنانچہ ارشاد ہے:-

اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا o اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا

''یعنی رات کا قیام نفس کے لتاڑنے کے لیے سخت ہے اور زبان کو بہت درست رکھنے والا ہے، بے شک تجھے دین میں طویل شغل ہے۔''

ان دونوں آیتوں میں ان دونوں حالتوں کا ذکر ہے جن کی یہ دونوں حالتیں قائم ہیں ان کی توریس ہی نہیں اول نمبر ان میں انبیاء علیھم السلام کا ہے پھر درجہ بدرجہ ان کے جانشینوں کا ہے، جو لوگ ساری عمر خلوت میں گذارتے ہیں اگرچہ ان کی حالت مشاہدہ زیادہ ہوتی ہے مگر چونکہ یہ چیز صرف ان کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اس میں متعدی فائدہ نہیں اس لیے وہ علماء ربانیین کا مقابلہ نہیں کرسکتے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر اور دوسری حدیث میں ہے جیسی میری تمہارے ادنیٰ پر) (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲

پس انسان کوچاہیے کہ توحید حالی حاصل کرتے ہوئے افضل مرتبہ ہاتھ سے نہ دے ، جو محض گوشۂ نشینی کو بڑا کمال سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی عمر اسی میں گذار دیتے ہیں وہ علمائے ربانی کی نسبت بڑے خسارہ میں ہیں اگرچہ ذاتی طور پر ان کی طبیعت کو اطمینان وسکون زیادہ ہو اور ذوق عبادت اور حلاوت ذکر میں خواہ کتنے بڑھے ہوئے ہوں ، مگر علمائے ربانی کا متعدی فائدہ اس سے بڑھ جاتا ہے ، کیونکہ شیطان کا اصل مقابلہ کرنے والی یہی ( علمائے ربانی ) کی جماعت ہے ، عابد ریاضت اور مجاہدہ سے صرف اپنی خواہشات کو دباتا ہے اور یہ جماعت ہزاروں کی اصلاح کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(ہزار عابد سے شیطان اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایک عالم سے (ڈرتا ہے ۔ ) ( مشکوۃ : کتاب العلم ، فصل ۲ ''

!خدا ہمیں بھی ربانی علماء سے کرے اور انہی کے زمرہ میں اٹھائے ۔ آمین

اب رہی توحید الٰہی سو اس کے متعلق بہت دنیا بہکی ہوئی ہے ، بعض تو اس کا مطلب ہمہ اوست سمجھتے ہیں یعنی ہر شئے عین خدا ہے ، جیسے برف اور پان بظاہر دو معلوم ہوتے ہی مگر حقیقت ایک ہے اسی طرح خدا اور دیگر موجودات وحدت حقیقی کا عکس ہیں جیسے ایک شخص کے اردگرد کئی شیشے رکھ دیئے جائیں تو سب میں اس کا عکس پڑتا ہے ، ایسے ہی خدا اصل ہے اور باقی اشیاء اس کا عکس ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کلی جزی کی مثال ہے جیسے انسان اور زد عمر بکر ہیں حقیقت سب کی خدا ہے اور یہ تعینات حوادث ہیں ، غرض دنیا عجیب گھور کھدہندے میں پڑی ہوئی ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ ۔

صحیح راستہ اس میں یہ ہے کہ اگر اسکا مطلب یہ سمجھا جائے کہ سوا خدا کے کوئی شئے حقیقۃً موجود نہیں اور یہ جو کچھ نظر آرہا ہے یہ محض توہمات ہیں جیسے سوفسطائیہ فرقہ کہتا ہے کہ آگ کی گرمی اور پانی کی بردوت وہمی اور خیالی چیز ہے تو یہ سراسر گمراہی ہے ۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ موجودات انسانی ایجادات کی طرح نہیں کہ انسان کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں بلکہ یہ ان کا وجود خدا کے سہارے پر ہے اگر ادھر سے قطع تعلق فرض کیا جائے تو ان کا کوئی وجود نہیں ، تو یہ مطلب صحیح ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ ( برقی رو ) قمقموں کے لیے ہے ۔ گویا حقیقت میں اس وقت بھی ہر شئے فانی ہے مگر ایک علمی رنگ میں اس کو سمجھنا ہے اور ایک حقیقت کا سامنے آنا ہے علمی رنگ میں تو سمجھنے والے بہت ہیں مگر حقیقت کا اس طرح سامنے آنا جیسے آنکھوں سے کوئی شئے دیکھی جاتی ہے یہ خاص ارباب بصیرت کا حصہ ہے گویا قیامت والی فنا اس وقت ان کے سامنے ہے پس یہ آیت کریمہ ( کل شئی ہالک الا ربہہ ) ان کے حق میں نقد ہے نہ ادھار ۔

نوٹ !ابن عبری ، رومی اور جامی رحمھم اللہ وغیرہ کے کلمات اس توحید میں مشتبہ ہیں اس لیے بعض لوگ ان کے حق میں اچھا اعتقاد رکھتے ہیں بعض برا ۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ ابن عربی رحمہ اللہ سے بہت بدظن ہیں ۔ اسی طرح رومی ، اور جامی کو کئی علماء برا کہتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جب ان کا کلام متحمل ہے جیسے جامی کا کلام اوپر نقل ہوچکا ہے اور وہ درحقیقت ابن عربی کا ہے کیونکہ ابن عربی کی کتاب عوارف المعارف سے ماخوذ ہے تو پھر ان کے حق میں سوء ظنی ٹھیک نہیں اسی طرح رومی کا خیال کرلینا چاہیئے ، غرض حتی الوسع فتویٰ میں احتیاط چاہیئے جب تک پوری تسلی نہ ہو فتویٰ نہ لگانا چاہیئے خاص کر جب وہ گذرچکے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہوچکا تو اب کرید کی کیا ضرورت ؟ بلکہ صرف اس آیت پر کفایت کرنی چاہیئے :

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

نوٹ !ابن عربی رحمہ اللہ وغیرہ کا کچھ ذکر تنظیم جلد ۹ نمبر ۲۲ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء مطابق ۲۰ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ میں بھی ہوچکا ہے اور رسالہ تعریف اہلسنت کے صفحہ ۳۶۶،۳۶۵ میں بھی ہم اس کے متعلق کافی لکھ چکے ہیں زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو وہاں ملاحظہ ہو ۔ ( فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ، صفحہ ۱۵۱، ۱۵۰ )

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب